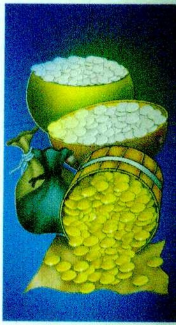
خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم

خلیفہ سوم



سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ



اشفاق احمد خاں

دار السلام
DARUSSALAM

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیه ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم

خلیفہ سوم

سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ



اشفاق احمد خاں

دار السلام
DARUSSALAM
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض • جدہ • شارجہ • لاہور
لندن • ہیوسٹن • نیویارک

DARUSSALAM دارالسلام

ⓒ مکتبة دارالسلام، ١٤٢٥ هـ
فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر
خان ، اشفاق احمد
عثمان الغني رضي الله عنه / اشفاق احمد خان - الرياض، ١٤٢٥ هـ
ص: ٤٨ مقاس: ١٧×٢٤ سم
ردمك: ٢-٠٠-٧٣٢-٩٩٦٠
(النص باللغة الاردية)
١- عثمان بن عفان بن ابي العاص، أ-العنوان
ديوي ٩, ٢٣٩ ١٤٢٥/٥٦٣٦

رقم الإيداع: ١٤٢٥/٥٦٣٦
ردمك: ٢-٠٠-٧٣٢-٩٩٦٠

نام کتاب: سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم مصنف: اشفاق احمد خاں

نظر ثانی: عبدالمالک مجاہد

مجلسِ ادارت: حافظ عبدالعظیم اسد (منیجر دارالسلام لاہور) محمد طارق شاہد (انچارج شعبہ ادب الاطفال والشباب)
مجلسِ مشاورت: حافظ صلاح الدین یوسف ڈاکٹر محمد افتخار کھوکھر اشتیاق احمد اشفاق احمد خاں
عرفان جمیل محمد امین ثاقب قاری طارق جاوید
ڈیزائننگ اینڈ السٹریشن: زاہد سلیم چودھری (آرٹ ڈائریکٹر)

معاونین: میاں خالد محمود عمر فاروق احسن محمود حافظ عمران خان خطاطی: اکرام الحق

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب
فون: 4033962-4043432 1 00966 فیکس: 4021659
Website: http://www.dar-us-salam.com E-mail: riyadh@dar-us-salam.com
❶ طریق مکہ۔ العلیا۔ الریاض فون: 4614483 1 00966 فیکس: 4644945 ❸ جدہ فون: 6879254 2 00966 فیکس: 6336270
❷ شارع العین۔ الملز۔ الریاض فون: 4735220 فیکس: 4735221 ❹ الخبر فون: 8692900 3 00966 فیکس: 8691551

شارجہ فون: 5632623 6 00971 فیکس: 5632624 لندن فون: 5202666 208 0044 فیکس: 5217645 208
امریکہ ❶ ہوسٹن فون: 7220419 713 001 فیکس: 7220431 ❷ نیویارک فون: 6255925 718 001 فیکس: 6251511

پاکستان (ہیڈ آفس و مرکزی شوروم)

❶ 36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور فون: 7110081-7111023-7232400-7240024 42 0092 فیکس: 7354072
website: www.darussalampk.com e-mail: info@darussalampk.com
❷ غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703 ❸ مون مارکیٹ اقبال ٹاؤن۔ لاہور فون: 7846714
❹ Z-110,111 (D.C.H.S) مین طارق روڈ (بالمقابل فری پورٹ شاپنگ مال) کراچی فون: 4393936-21-0092 فیکس: 4393937

پیش لفظ

وہ معاشرہ، جس کی رگ رگ میں برائیوں کا زہر اُترا ہوا ہو............ جہالت اپنی پوری قوت کے ساتھ حکمرانی کر رہی ہو۔ گمراہی اور ظلمت، رات کی تاریکی کی طرح چھا چکی ہو، وہاں .... ہر شخص کی زندگی میں کچھ نہ کچھ خامی، کچھ نہ کچھ برائی ضرور پیدا ہو جاتی ہے اور یہ کوئی اتنے تعجب اور حیرانی کی بات نہیں۔ اندھیروں سے اکثر اندھیرے ہی جنم لیتے ہیں۔ جہالت کی گود میں پلنے والے جاہلانہ عادتیں اپنا ہی لیتے ہیں۔ برائیوں کے ماحول میں لوگ برائیاں ہی کریں گے۔

برائیوں سے بھرپور معاشرے میں کسی شخص کا پاکیزہ رہنا ایک ان ہونی ہے۔ لیکن وہ تھے۔ اُس اَن ہونی کا نشان، اندھیروں میں چمکتے ستارے کی طرح، بُروں میں ایک اچھے انسان، ان کی فطرت میں حیا تھی، پاکیزگی تھی۔ وہ اس معاشرے میں ایک ایمان دار تاجر کے طور پر پہچانے جاتے تھے۔ ایمان داری ایسا وصف ہے جو کاروبار کے ساتھ ساتھ شخصیت کو بھی چار چاند لگا دیتی ہے۔ ان کا شمار دولت مند تاجروں میں ہونے لگا۔ مزے کی بات تو دیکھیے ان کی دولت نے ان کے قدم بھٹکائے نہیں، ڈگمگائے نہیں۔ وہ اپنی دولت نیکی اور بھلائی کے کاموں میں خرچ کرتے رہے۔

اُن میں سخاوت کی خوبی ایمان کی مٹھاس چکھنے سے پہلے بھی بہت نمایاں تھی لیکن ایمان لانے کے بعد ان کی سخاوت دو چند ہوگئی۔ ہر مشکل وقت میں انھوں نے اپنا مال پیش کیا۔ جنگوں کی تیاری میں اُنھوں نے ہمیشہ سب سے بڑھ کر حصہ لیا۔ اُنھیں اپنے آقا کے یہاں ایک خاص مقام حاصل تھا۔ اُن سے قلبی و روحانی تعلق تو تھا ہی ...... اُن کے

ساتھ ساتھ ایسا رشتہ بھی تھا جس کی بنا پر اُن کو ''ذوالنورین'' کہا گیا۔

امارت کا منصب سنبھالا تو حکومت کی حدیں اور بھی وسیع ہوتی گئیں۔ انھوں نے پہلی دفعہ بحری بیڑہ تیار کروایا۔ جس کی بنا پر وہ بحیرۂ روم کی زبردست بحری طاقت بن گئے۔ عوام کی فلاح و بہبود کے لیے انھوں نے بے شمار اقدامات کیے۔ ان اقدامات کے نتیجے میں حکومت مضبوط ہوئی۔ ملک میں خوش حالی آئی اور ترقی کے راستے کھلے۔

جب اُن کے خلاف سازشوں کا آغاز ہوا تو ہر طرح کی کوشش، مصالحت اور مصلحت کے باوجود یہ فتنہ دب نہ پایا اور بالآخر ان کی شہادت کا سانحہ پیش آ گیا۔ وہ چاہتے تو فوج کو اپنی حفاظت کے لیے طلب کر سکتے تھے۔ لیکن محض اپنی ذات کے لیے انھوں نے کسی کو بھی خون بہانے سے منع کر دیا۔ تاریخ میں یہ اپنی نوعیت کی واحد مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتیں نازل کرے، آمین۔

اُن کی تمام عمر نیکی اور بھلائی کے کاموں میں صرف ہوئی۔ باحیا، صفائی پسند اور انتہائی عبادت گزار تھے۔ ان کی ذات کے حوالے سے ایک مفید اور فکر انگیز کتاب، آپ کے مطالعے کی نذر!

والسلام

عبدالمالک مجاہد



مدینہ ایک سرسبز و شاداب علاقہ تھا۔ لمبی لمبی کھجوروں کے گھنے سائے دور سے مسافروں کو اپنی طرف کھینچتے تھے۔ دیکھنے والے سمجھ جاتے تھے کہ یہ نخلستان ہے اور ان کے قیام کے لیے ایک مناسب اور موزوں مقام ہے، لیکن یہ بھی نہیں تھا کہ سارا علاقہ ہی سبزے سے ڈھکا ہوا ہو، کہیں کہیں سیاہ پتھروں کے پہاڑ بھی تھے۔ خطۂ عرب کا صحرائی رنگ کہیں کہیں مدینے میں بھی دیکھنے کو مل جاتا تھا۔

یہ سرسبز و شاداب خطہ ہر معاملے میں خوش قسمت واقع نہیں ہوا تھا۔ ایک معاملہ ایسا بھی تھا جس پر ہر کسی کو حیرت تھی۔ اس پورے علاقے میں میٹھے پانی کی شدید کمی تھی۔ یہاں میٹھے پانی سے مراد یہ نہیں ہے کہ اس میں کوئی مٹھاس گھلی ہوئی ہو، بلکہ ایسا پانی جو پینے کے قابل ہو، اُس میں تلخی نہ ہو، ترشی نہ ہو اور اتنا نمکین نہ ہو کہ پینے کو دل نہ چاہے۔ لوگوں نے اپنے طور پر کنویں کھود کر پانی حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن بدقسمتی سے وہ

پانی صاف اور میٹھا نہیں تھا۔ اس پورے شہر میں میٹھے پانی کا صرف ایک کنواں تھا۔ جس کا نام "بئرِ رومہ" تھا۔ جس کا مالک ایک یہودی تھا۔ وہ کسی کو اس کنویں کے پاس پھٹکنے بھی نہیں دیتا تھا۔ جو بھی اس کنویں سے پانی لینے کی خواہش کرتا، یہودی پیسے لے کر اُسے پانی دیتا تھا۔

ایسے میں مسلمان مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے۔ کچھ ہی عرصے میں انھیں بھی اس سنگین مسئلے کا احساس ہو گیا۔ میٹھا اور صاف پانی نایاب تھا۔ جہاں سے پانی مل سکتا تھا وہاں روپے پیسے کی ضرورت تھی۔ روپیہ پیسا اُن کے پاس کہاں تھا۔ وہ تو اپنا تمام مال جائیداد اور سامان مکہ میں چھوڑ آئے تھے۔ صرف اور صرف ایمان کی دولت سینے سے لگائے وہ مدینہ پہنچے تھے۔

مسلمان جب پانی کے معاملے میں شدید تکلیف سے دوچار ہو گئے تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی شکایت کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اعلان فرمایا:

"جو شخص اس کنویں کو خرید کر مسلمانوں کے لیے پانی عام کرے گا اُس کے لیے جنت ہے۔"

جنت کی بشارت پا کر ایک صحابی چپکے سے اُٹھے اور اس یہودی کے پاس جا پہنچے۔ یہودی نہ صرف کنجوس تھا بلکہ بہت بُری فطرت کا بھی مالک تھا۔ اس صحابی نے یہودی سے کہا:

"میں یہ کنواں خریدنا چاہتا ہوں۔"

یہودی نے حیرت سے اُس نوجوان کو دیکھا۔ وہ خوبصورت، پاکیزہ اور باوقار شخصیت کا مالک نظر آ رہا تھا۔ یقیناً وہ مدینے کا باسی نہیں تھا ورنہ وہ کبھی یہودی سے اس کا



مطالبہ نہ کرتا۔ مدینے کے سارے لوگ جانتے تھے کہ یہ کنواں اُس کے لیے کاروباری لحاظ سے کتنا مفید ہے اور وہ اُس کو کبھی نہیں بیچے گا۔ یہودی نے اُس نوجوان سے کہا:

''یہ کنواں برائے فروخت نہیں ہے۔''

''دیکھو! تم ایک کاروباری آدمی ہو، کاروبار کی بات کرو!'' صحابی نے اُسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''اسی لیے تو کہہ رہا ہوں کہ کنواں نہیں بیچوں گا' مجھے اس سے بہت زیادہ منافع ملتا ہے۔'' یہودی نے کہا۔

''میں تمھیں اُس سے دوگنا منافع دینے کے لیے تیار ہوں۔'' صحابی نے پیشکش کی۔

''پھر بھی ممکن نہیں!'' یہودی نے سختی سے انکار کیا۔

''اچھا!'' صحابی نے حیرت سے اُسے دیکھا ''میں تمھیں اس کی منہ مانگی قیمت دینے کے لیے تیار ہوں۔''

یہ پیشکش سن کر یہودی کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ اُس کے دل پر ایک لمحے کے لیے لالچ نے غلبہ پالیا۔ منہ مانگی رقم لے کر کنواں بیچنے کا خیال اُس کے دل و دماغ کو اپنی گرفت میں لے رہا تھا۔

لیکن پھر خیال آیا کہ آج منہ مانگی قیمت لے کر وہ ہمیشہ کے لیے کنویں کے منافع سے محروم ہو جائے گا۔ چنانچہ لالچ کو دل سے نکال کر اُس نے فیصلہ کر لیا اور بولا:

"میں کسی بھی قیمت پر یہ کنواں نہیں بیچوں گا۔"

غرض کہ اس صحابی کی ہر کوشش ناکامی سے دوچار ہوئی۔ بالآخر ایک نئی تجویز اُن کے ذہن میں آئی اور وہ یہودی سے مخاطب ہوئے۔

"ٹھیک ہے تم سارا کنواں نہیں بیچنا چاہتے تو نہ بیچو! مجھے آدھے کنویں کا حصے دار بنا لو!"

"آدھے کنویں کا حصے دار؟" بات یہودی کی سمجھ سے باہر تھی، وہ تعجب سے بولا:

"کنویں کا پانی آدھا آدھا کیسے ہو سکتا ہے؟"

"پانی تقسیم نہیں ہو سکتا، لیکن وقت تو تقسیم ہو سکتا ہے۔" صحابی نے کہا۔

"وہ کیسے؟" یہودی نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

"کنویں کا پانی ایک دن تمھاری ملکیت ہوگا اور دوسرے دن میری ملکیت ہوگا۔"

تب بات یہودی کی سمجھ میں آ گئی۔ یہ ایک مناسب تجویز تھی۔ اُس یہودی نے فوراً اندازہ لگا لیا کہ اب سودا کرنا مفید رہے گا۔ چنانچہ وہ بارہ ہزار درہم میں کنویں کا آدھا حصہ بیچنے پر آمادہ ہو گیا۔ بارہ ہزار درہم اُس زمانے میں بہت بڑی رقم تھی، لیکن اُس صحابی کو اللہ تعالیٰ نے بہت مال عطا کیا تھا۔ اُنھوں نے رقم ادا کر کے آدھا کنواں خرید لیا۔

یہودی نہیں جانتا تھا کہ اُس نے کتنا خسارے کا سودا کیا ہے۔ ہوا یوں کہ جس دن اُس صحابی کی باری ہوتی تھی اُس دن مدینے کے تمام مسلمان اتنا پانی بھر کر رکھ لیتے تھے کہ دو دن کے لیے کافی ہو جاتا تھا۔ اُس دن کنویں سے مسلمان تو پانی لیتے ہی تھے غیر مسلموں کے لیے بھی کوئی ممانعت نہیں تھی۔ اُنھیں بھی مسلمانوں کے ساتھ مفت پانی لینے کی اجازت تھی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جس دن یہودی کی باری ہوتی، اس دن کوئی بھی پانی



خریدنے کے لیے نہ آتا۔ تب یہودی کو پچھتاوا ہوا۔ آدھے کنویں کی نگرانی کے لیے بیٹھا رہتا۔ تنگ آکر اُس نے اُس صحابی سے مزید آٹھ ہزار درہم لے کر سارا کنواں اُس کے حوالے کر دیا۔ اُس صحابی نے وہ کنواں مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔ کسی کو کوئی روک ٹوک نہیں رہی۔ اب مسلمان جس وقت چاہتے پانی لے سکتے تھے۔

یہ شخصیت جنھوں نے سخاوت کا بے مثال مظاہرہ کیا تھا، جنہوں نے اپنے غنی اور دریا دل ہونے کا ثبوت دیا تھا، عظیم صحابی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ 576ء میں شہرِ مکہ میں پیدا ہوئے۔ ماں باپ نے اُن کا نام عثمان رکھا۔ اسی نام سے شہرت ملی۔ آپ کے دو لقب بہت مشہور ہوئے۔ ایک تو ذوالنورین یعنی دو نوروں والا۔ دو نوروں والے سے کیا مراد ہے؟ یہ ہم آپ کو آگے چل کر بتائیں گے۔ دوسرا لقب غنی ہے۔ آپ کا شمار مکے کے ایمان دار اور ممتاز تاجروں میں ہوتا تھا۔ نیکی کے کاموں میں بہت خرچ کرتے تھے۔ اسی لیے غنی کے لقب سے مشہور ہوئے اور یہی لقب آپ کے نام کا حصہ بنا۔

پانچویں پشت میں آپ کا سلسلۂ نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔ آپ قریش کے قبیلے بنو اُمیہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے پردادا کا نام امیہ تھا۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کے پردادا کا نام ہاشم تھا۔ اُمیہ، ہاشم کے بھتیجے اور اپنے خاندان کے سربراہ و رئیس تھے۔ اسی وجہ سے اُن کا خاندان بنو اُمیہ کے نام سے مشہور ہوا۔ اس خاندان کے لوگ اُموِی کہلاتے تھے۔ قریش کا قومی جھنڈا رکھنے کا اعزاز اسی خاندان کے پاس تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے جب نبوت کا اعلان کیا، اُس سے قبل ہی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے والد عفان وفات پا چکے تھے۔ آپ کی والدہ کا نام اَرویٰ رضی اللہ عنہا تھا اور نانی اُم حکیم بیضاء تھیں۔ آپ کی نانی رسول اللہ ﷺ کے والدِ محترم عبداللہ کی سگی بہن تھیں۔ یوں بی بی اَرویٰ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی زاد بہن تھیں اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے بھانجے تھے۔ آپ کا بچپن کیسے اور کس طرح گزرا، تاریخ کی کتابوں میں اس کا ذکر بہت کم ملتا ہے۔ البتہ آپ کے کردار اور شخصیت کو دیکھتے ہوئے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کا بچپن بہت پاکیزہ گزرا۔ آپ کی فطرت میں حیا تھی۔ گھر والوں نے آپ کی بہت عمدہ تربیت کی اور لکھنا پڑھنا سکھایا۔ اسی تربیت کا نتیجہ تھا کہ سچائی، ایمانداری اور صدق سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی ذات کی نمایاں خوبیاں بن گئیں۔



سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جوان ہوئے تو انھوں نے معاش کے لیے تجارت کے پیشے کو پسند کیا۔ انھوں نے غلے کی تجارت شروع کر دی۔ ایمان دار تو تھے ہی، اس خوبی نے اُن کے کاروبار کو چار چاند لگا دیے۔ کاروبار جم گیا اور جلد ہی مکے کے دولت مند تاجروں میں اُن کا شمار ہونے لگا۔ لیکن وہ مکے کے عام تاجروں کی طرح نہیں تھے۔ اتنے

زیادہ مال و دولت کا مالک ہونے کے باوجود ان میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہوئی۔ اُس زمانے میں شراب پینے کا عام رواج تھا۔ بہت کم لوگ اس برائی سے بچے ہوئے تھے، لیکن انھوں نے کبھی شراب کو ہاتھ نہیں لگایا۔ انھوں نے اپنی دولت کو کبھی فضول کاموں میں خرچ نہیں کیا۔ طبیعت میں نیکی تھی، اس لیے خود بھی بڑھ چڑھ کر نیکی کے کاموں میں حصہ لینے لگے۔ اپنی انھی خوبیوں کی بنا پر اُن کا شمار مکے کے ممتاز اور معزز تاجروں میں ہونے لگا تھا۔

رسول اللہ ﷺ بھی چونکہ تجارت کرتے تھے، اس لیے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے اُن کے تعلقات بہت دوستانہ تھے۔ ویسے بھی رشتے کے لحاظ سے وہ آپ ﷺ کے بھانجے تھے، اس لیے باہمی احترام کا رشتہ بھی قائم تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ چونتیس سال کے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے نبی ہونے کا اعلان فرما دیا۔ نبوت کے پہلے سال گنتی کے چند ہی لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا۔ ان نیک لوگوں میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خالہ سُعدی رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں۔ آپ ایک دن اُن کے ہاں گئے تو انھوں نے کہا:

''بھانجے، بے شک محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ ان پر قرآن نازل ہوتا ہے اور وہ اللہ کی طرف بلاتے ہیں ان کا دین قبول کرنے ہی میں بہتری ہے۔''

خالہ کی باتیں سن کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دل پر اثر ہوا۔ وہ خود بھی نبیِ کریم ﷺ کی ذاتِ گرامی سے اچھی طرح آگاہ تھے۔ تمام خوبیاں اُن پر واضح تھیں۔ ایسے میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اُن کی ملاقات ہوگئی۔ اُن سے اپنی خالہ کی باتوں کا ذکر کیا تو انھوں نے فرمایا:

''اللہ کی قسم! جو کچھ تمھاری خالہ نے کہا ہے وہ بالکل سچ ہے۔''

اس کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اسلام کی خوبیاں بیان کیں۔ اُن کی باتیں سن کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا دل موم ہو گیا۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فوراً کلمہ پڑھ کر اپنا ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دے دیا۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے چچا حکم بن ابی العاص کو جب ان کے اسلام قبول کرنے کا علم ہوا تو بہت آگ بگولا ہوا۔ وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو رسیوں سے جکڑ کر مارنے پیٹنے لگا اور کہنے لگا:

"بھتیجے! میں کہتا ہوں نیا مذہب چھوڑ دو۔"

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بڑے صبر اور حوصلے کے ساتھ چچا کا تشدد برداشت کیا اور ہر بار اُن کے مطالبے کے جواب میں یہی کہا:

"جو چاہو کر لو! اسلام کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔"

چچا مار مار کر تھک گیا، لیکن اُن کے حوصلے کو نہ توڑ سکا۔ بالآخر چچا نے اُنھیں ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ یہ ظلم و ستم صرف اپنوں ہی کی طرف سے نہیں تھا، مکے کے دوسرے کافر بھی انھیں ستاتے رہے۔ ان کی طرح دوسرے مسلمان بھی اسی طرح ظلم کی چکی میں پس رہے تھے۔ اُن پر تکلیفوں کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے۔ جب ظلم حد سے بڑھ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے فرمایا:

"تم لوگ یہاں سے نکل کر حبشہ چلے جاؤ، وہاں کا بادشاہ اچھا آدمی ہے، کسی پر ظلم نہیں ہونے دیتا۔ جب تک اللہ تعالیٰ تمہاری اس مصیبت کو دور نہیں کر دیتا، تم وہیں ٹھہرو۔"

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک گروہ نے مکے کی



زمین کو چھوڑا اور حبشہ کی جانب ہجرت کی۔ اس گروہ میں بارہ مرد اور چار عورتیں شامل تھیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اُن کے امیر تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ان کی بیوی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ حبشہ، براعظم افریقہ کا ملک تھا، جو سمندر سے پار عرب کے جنوب مغرب میں واقع تھا۔ آج کل یہ ملک ایتھوپیا کہلاتا ہے۔ اس زمانے میں حبشہ کے بادشاہ کو نجاشی کہا جاتا تھا، حبشہ کے بادشاہ کا تعلق اگرچہ عیسائی مذہب سے تھا لیکن فطری طور پر وہ نیک دل اور انصاف پسند حکمران تھا۔ اُس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا تھا وہ بالکل درست تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی یہ ہجرت ایک لحاظ سے بہت تاریخی اہمیت رکھتی تھی۔ دین کی خاطر اپنا پیارا وطن اور گھر بار چھوڑنا اور کسی دوسری جگہ جا کر سکونت اختیار کرنا ہجرت کہلاتا ہے۔ یہ بہت بڑی قربانی ہوتی ہے اور اس کا بہت زیادہ ثواب ملتا ہے۔

حبشہ میں یہ مسلمان بڑے سکون کے ساتھ رہے۔ وہاں نہ اُن کی عبادت پر

پابندی تھی اور نہ دین کے حوالے سے کوئی روک ٹوک۔ وہ آزادانہ ہر کام کرتے تھے۔ اُنھیں وہاں آئے ابھی تین ماہ بھی نہ ہوئے تھے کہ اُن کو یہ خبر ملی کہ مکے کے سبھی کافروں نے اسلام قبول کرلیا ہے۔ یہ خبر سن کر ان کے دلوں میں خوشی و اطمینان کی لہر دوڑ گئی اور وہ مکے کی طرف لوٹ آئے۔ مکہ پہنچنے پر اُنھیں علم ہوا کہ جو خبر ان تک پہنچی تھی وہ سراسر جھوٹ تھی، لیکن اب کیا ہوسکتا تھا، وہ تو لوٹ آئے تھے۔ انھوں نے حبشہ واپس جانا مناسب نہ سمجھا۔ اور مکے کے سرداروں میں سے کسی نہ کسی کی پناہ حاصل کرکے مکے میں داخل ہو گئے۔



مکے کی سرزمین پر مسلمانوں کو اُسی طرح اذیتوں کا سامنا تھا۔ کیا غلام کیا آزاد، کیا امیر اور کیا غریب، سبھی کافروں کے ستم کا نشانہ بن رہے تھے۔ جب کافروں کی سختیاں حد سے بڑھ گئیں اور مسلمانوں کا جینا دشوار ہوگیا تو اگلے سال نبی کریم ﷺ نے پھر ہدایت فرمائی کہ مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔

اس مرتبہ ہجرت کرنے والے گروہ میں ایک سو دو مسلمان مرد اور عورتیں شامل تھیں۔ ان میں بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا شامل تھیں۔ اس طرح انھیں دوسری دفعہ دین کی خاطر ہجرت کرنے کا اعزاز حاصل ہوا۔ سفر کی تکلیفیں برداشت کرتے یہ لوگ بالآخر حبشہ پہنچ گئے۔ وہاں اُن کے لیے امن، سکون اور چین تھا۔

مسلمانوں کی یہ ہجرت، مسلمانوں کے لیے تو سکھ لائی تھی لیکن مکے کے کافروں کے لیے بے سکونی اور دکھ کا باعث بنی تھی۔ مسلمان آرام وسکون سے رہیں، وہ یہ کیسے برداشت کر سکتے تھے۔ انھوں نے اپنے آدمی بھیج کر نجاشی کو اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ وہ مسلمانوں کو ان کے حوالے کر دے، لیکن اس نے کافروں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی بھی پوری بات سنی اور پھر اُس نے فیصلہ دیا کہ مسلمان وہیں رہیں گے۔ انھیں ان کے حوالے نہیں کیا جا سکتا۔ اس طرح نجاشی کی تائید وحمایت سے یہ لوگ کئی سال تک وہیں رہے۔

نبوت کا تیرھواں سال تھا۔ ان ہجرت کرنے والوں میں سے بیشتر واپس آ چکے تھے۔ مکے کے مشرک اسی طرح مسلمانوں کا جینا حرام کیے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو ہدایت کی کہ وہ ہجرت کر کے یثرب چلے جائیں۔ کیونکہ وہاں کے بہت سے لوگ مسلمان ہو چکے تھے۔ وہ آپ ﷺ کو یثرب آنے کی دعوت بھی دے چکے تھے اور انھوں نے اس عزم کا بھی اظہار کیا تھا کہ وہ مرتے دم تک آپ ﷺ کی حفاظت اور مدد کریں گے۔ ان لوگوں کی اسی مدد اور حمایت کی بنا پر ان کو انصار یعنی مددگار کہا گیا۔ آپ ﷺ نے ان لوگوں کی دعوت قبول فرما کر اپنے ساتھیوں کو ہجرت کی اجازت دے دی۔ مسلمان یکے بعد دیگرے ہجرت کرتے گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے مکہ مکرمہ مسلمانوں سے خالی ہونے لگا۔ بس گنتی کے چند ہی مسلمان بچے تھے۔ ان ہجرت کرنے والوں میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا اور اُن کے بیٹے عبداللہ بھی شامل تھے۔ عبداللہ حبشہ میں پیدا ہوئے تھے۔

مسلمانوں کو ہجرت کیے ابھی دو سال ہی ہوئے تھے کہ بدر کا معرکہ پیش آ گیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اس وقت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی بیماری کے باعث ان کی تیمار داری میں مصروف تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی بیماری کی شدت کو محسوس کرتے ہوئے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''تم یہیں رہو! تمہیں اس شخص کے برابر ثواب ملے گا جو لڑائی میں شریک ہوگا۔ تم رقیہ کی تیمار داری کرو۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے اپنے ایک قریبی صحابی سیدنا اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو مدینے میں چھوڑا تاکہ وہ تیمار داری میں ان کا ہاتھ بٹا سکیں۔ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے کامیابی سے نوازا۔ جس روز فتح حاصل ہوئی اسی دن بیماری کے سبب سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔ اُن کا انتقال سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے تو ایک عظیم صدمے کا باعث تھا ہی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان کے انتقال پر شدید دکھ ہوا اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ کیونکہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹی کی قبر پر تشریف لے گئے اور ان کے لیے دعا کی۔

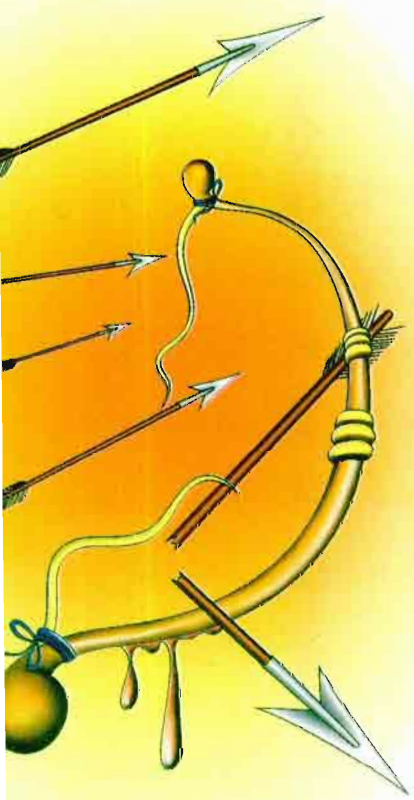
سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بہت غمگین کر دیا تھا۔ افسوس کی حالت میں ان کی زبان سے یہی کلمہ نکلتا تھا:

''افسوس! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا رشتہ ٹوٹ گیا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے بہت دلی لگاؤ رکھتے تھے، ان سے بڑی محبت کرتے تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی حالت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دیکھی نہ گئی۔ چنانچہ دوسری بیٹی سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دی۔ یہی سبب تھا کہ آپ کو

ذوالنورین یعنی دونوروں والا کہا گیا۔

ہجرت کا تیسرا سال تھا۔ کفارِ مکہ جو بدر کے معرکے میں شکست کا زخم کھائے ہوئے تھے، بھرپور تیاریوں کے ساتھ دوبارہ احد کے میدان میں جنگ کے لیے پہنچ گئے۔ دوسرے صحابہ کے ساتھ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اس غزوے میں بڑی دلیری اور بہادری کا مظاہرہ کیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے درے پر متعین تیراندازوں نے درہ خالی چھوڑ دیا تو کافروں کو اس طرف سے حملہ کرنے کا موقع مل گیا۔ مسلمان اپنی طرف سے کافروں کو شکست دے کر مالِ غنیمت سمیٹنے میں مصروف تھے۔ اس اچانک حملے نے انھیں بدحواس کر دیا اور ان کے قدم اُکھڑ گئے۔ بہت سے صحابہ کرام شہید ہو گئے۔ اس کے ساتھ ساتھ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر بھی پھیل گئی، یہ خبر مسلمانوں کے اعصاب پر بجلی بن کر گری اور وہ صدمے سے حوصلہ ہار بیٹھے، قریب تھا کہ کفار کی تلواروں کی زد میں آ کر مسلمانوں کا خاتمہ ہو جاتا، کچھ صحابہ کی نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑ گئی۔ سب آپ کی



طرف دوڑ پڑے۔ ان میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ غزوۂ خندق میں جن صحابہ کو خندق کی حفاظت کی ذمے داری سونپی گئی ان میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا نامِ گرامی بھی تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے بے انتہا محبت رکھتے تھے۔ اس کا ایک ثبوت تو یہی تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو بیٹیوں کی شادی اُن سے کی۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر ان کی ذات کی خاطر کفار سے لڑنے مرنے کا عہد بھی کچھ کم اہم نہیں تھا۔ ہجرت کے چھٹے سال نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم چودہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ کعبے کی زیارت کے لیے مکے کی طرف روانہ ہوئے۔ کیونکہ ہجرت کے بعد سے لے کر اب تک وہ مکے نہیں جا سکے تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی نیت عمرہ کرنے کی تھی۔

قریشِ مکہ کو پتا چلا کہ مسلمانوں کا قافلہ مکے کی طرف آ رہا ہے تو انھوں نے یہ عہد کر لیا کہ مسلمانوں کو کسی طور پر بھی مکے میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ انھوں نے اعلان کر دیا کہ ان کا راستہ روکا جائے گا۔ ان میں سے بہت سے لوگ ہتھیار اُٹھا کر مسلمانوں کا راستہ روکنے کے لیے نکل آئے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کی خبر مل گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے راستہ بدل لیا، کیونکہ مسلمان جنگ کے ارادے سے بالکل نہیں آئے تھے۔ مسلمان راستہ بدل کر مکے سے چند میل دور حدیبیہ کے مقام پر پہنچ گئے۔ وہاں قیام پذیر ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو پیغام بھیجا:

''ہم لڑنے نہیں آئے بلکہ صرف کعبے کی زیارت کے لیے آئے ہیں، عمرہ کرنے کے بعد ہم واپس مدینے چلے جائیں گے۔''

قریش کو جب یہ پیغام ملا تو انھوں نے آپس میں مشورے کے بعد طائف کے



ایک رئیس عروہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) جنہوں نے بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا، کو بات چیت کے لیے بھیجا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بھی یہی کہا کہ ہم لڑنے کے ارادے سے نہیں آئے ہیں۔ صرف عمرہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس ملاقات کے دوران عروہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) نے صحابہ کرام کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ احترام اور محبت کا جو رشتہ دیکھا اُسے دیکھ کر وہ دنگ رہ گیا۔ جب وہ واپس قریش کے پاس پہنچا تو حیرت کے عالم میں کہنے لگا:

''میں دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں کے دربار میں گیا ہوں۔ میں نے قیصر کا دبدبہ بھی دیکھا ہے اور کسریٰ کی شان و شوکت بھی، نجاشی کی سچائی اور ہیبت بھی میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے۔ لیکن جتنا عزت و احترام میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ان کے ساتھیوں کو کرتے دیکھا ہے، کسی بادشاہ کی اتنی عزت ہوتے نہیں دیکھی۔ میرے خیال میں تو بہتر یہی ہے کہ تم مسلمانوں سے صلح کر لو۔''

لیکن قریش بھلا کب ماننے والے تھے۔ انھوں نے عروہ بن مسعود (ﷺ) کی بات پر غور ہی نہیں کیا۔ جب قریش کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا تو نبیِ کریم ﷺ نے پھر ایک قاصد ان کے پاس بھیجا۔ قریش نے اس قاصد کے ساتھ انتہائی برا سلوک کیا۔ تب آپ ﷺ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بھیجا، کیونکہ انھیں مکے کے معاشرے میں جو مقام اور اہمیت حاصل تھی، اُس کے پیشِ نظر یہ یقین تھا کہ کفارِ مکہ ان کے ساتھ بدسلوکی نہیں کریں گے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ رسولِ کریم ﷺ نے یہ پیغام بھیجا:

''ہم جنگ کے لیے نہیں آئے، بلکہ کعبے کی زیارت کے لیے آئے ہیں اور قربانی کے جانور ساتھ لائے ہیں۔ طواف اور قربانی کر کے ہم واپس چلے جائیں گے۔''

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے اہلِ قریش سے اچھے تعلقات تھے۔ پھر ان کے مقام اور مرتبے کو دیکھتے ہوئے انھیں یہ پیشکش کی گئی:

''آپ عمرہ کر لیں، ہم دوسرے مسلمانوں کو مکے میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔''

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے نفی میں جواب دیا اور کہا:

''میں رسول اللہ ﷺ اور دوسرے مسلمانوں کے بغیر عمرہ نہیں کروں گا۔''

طیش میں آ کر کافروں نے انھیں مکے ہی میں روک لیا۔ ادھر مسلمانوں میں یہ خبر پھیل گئی کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے ہیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ چونکہ واپس تشریف نہیں لائے تھے اس لیے مسلمانوں کو بھی اس خبر پر یقین ہو گیا۔ انھیں شدید صدمہ ہوا۔ غصے کے عالم میں سب قریش سے بدلہ لینے کے لیے تیار ہو گئے۔ حالانکہ وہ اس وقت لڑائی کی حالت میں نہیں تھے۔ نہ ان کے پاس لڑائی کا کچھ سامان تھا نہ تلواریں اور گھوڑے، تعداد

میں بھی صرف چودہ سو تھے۔ ادھر دشمن اپنے گھر میں تھا۔ پوری تیاری کے ساتھ ان پر حملہ آور ہو سکتا تھا۔ لیکن ان کا اعتماد اور بھروسہ تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر تھا۔ آپ ﷺ نے ببول کے ایک درخت کے نیچے اپنے تمام صحابہ سے بیعت لی کہ عثمان کا بدلہ لینے کے لیے لڑیں گے اور مرتے دم تک پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے آپ ﷺ نے خود اپنے ایک ہاتھ پر دوسرا ہاتھ رکھ کر بیعت کی۔ اس سے مراد یہی تھی کہ آپ ﷺ نے اپنے دوسرے ہاتھ کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دیا اور خود فرمایا:

''یہ عثمان کا ہاتھ ہے۔''

یہ بیعت ''بیعتِ رضوان'' کہلائی ، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں شریک ہونے والوں سے اپنے راضی ہونے کا اعلان فرمایا۔ یہ اعلان قرآنِ کریم کی سورۃ الفتح میں ہے:

﴿ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ﴾

''یقیناً اللہ مومنوں سے خوش ہو گیا جب کہ وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے۔''



گویا جن لوگوں نے اس وقت بیعت کی، اللہ ان سے خوش ہو گیا۔ اسی لیے نبیٔ کریم ﷺ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر کے باوجود اپنے ایک ہاتھ کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دے کر انھیں بھی اس بیعت میں شامل کر لیا تھا تاکہ شہادت کا مرتبہ پا کر وہ بھی ان لوگوں میں شامل ہو جائیں، جن سے اللہ راضی ہو گیا۔ بیعت کے بعد مسلمان جوش و خروش کے ساتھ لڑائی کی تیاری میں مصروف تھے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ صحیح سلامت واپس تشریف لے آئے۔ انھیں زندہ دیکھ کر مسلمان بہت خوش ہوئے۔ ادھر مسلمان جس طرح لڑنے اور کٹ مرنے کے لیے تیار ہو گئے اُس جذبے کو دیکھ کر کافر مسلمانوں سے صلح کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ انھوں نے صلح کے لیے چند شرائط پیش کیں۔ ایک معاہدہ لکھا گیا جو صلح حدیبیہ کے نام سے مشہور ہوا۔



معاہدے کی دیگر شرائط کے ساتھ ساتھ ایک شرط یہ بھی تھی کہ اس سال مسلمان عمرہ کیے بغیر واپس چلے جائیں۔ اگلے سال ذیقعد کے مہینے میں قریش تین دن کے لیے مکے سے نکل جائیں گے۔ مسلمان ان دنوں میں عمرہ کر لیں۔ اس معاہدے کے بعد آپ ﷺ تمام صحابہ کے ساتھ واپس چلے گئے۔

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ خیبر کی لڑائی میں بھی شریک ہوئے۔ فتح مکہ کے وقت بھی آپ

رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ حنین اور تبوک کی جنگوں میں بھی آپ نے شرکت فرمائی۔ غزوۂ تبوک سے واپسی پر سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا چند دن بیمار رہ کر وفات پا گئیں۔ اس سانحے پر رسول اللہ ﷺ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شدید صدمہ پہنچا۔

رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں تاریخی خطبہ دیا۔ اس سے اگلے سال آپ ﷺ نے وفات پائی۔ دوسرے مسلمانوں کی طرح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی یقین نہیں آتا تھا کہ ایسا بھی ہوسکتا ہے۔ نبیٔ کریم ﷺ کی وفات کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دو سال تین ماہ اور گیارہ دن خلافت کی ذمہ داری نبھائی۔ اُن کی وفات کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ دوسرے خلیفہ بنے۔ اُن کی خلافت دس سال چھ مہینے اور پانچ دن رہی پھر وہ شہید کر دیے گئے۔

ان دونوں خلفاء کے پورے دورِ حکومت میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنی نیکی پرہیزگاری اور دین کے لیے خدمت کی بنا پر ایک ممتاز مقام حاصل رہا۔ رسول اللہ ﷺ سے آپ کے قریبی رشتے کی وجہ سے آپ کی بہت زیادہ عزت کی جاتی تھی۔ دونوں خلفاء نے اہم معاملات میں اُن سے مشورے کیے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تو اپنے فرمان آپ سے لکھواتے تھے۔ 12 ہجری میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حج کے لیے جاتے وقت مدینے میں اپنا قائم مقام سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بنایا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فوراً فرما دیا تھا:

''عمر جیسا ہم میں کوئی نہیں۔'' اُن کا مطلب تھا کہ خلافت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا حق ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنی مجلسِ شوریٰ کا ممبر بنایا۔ اُن کے مشوروں کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ شرعی فتوے جاری کرنے والوں میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مسلمان ہونے سے پہلے بھی نیکی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتے تھے۔ مسلمان ہونے کے بعد ان کی سخاوت کا رنگ اور بھی تیز ہو گیا۔ وہ محتاجوں، یتیموں اور بیواؤں کی مدد کرتے تھے۔ مصیبت میں مسلمانوں کے کام آتے تھے۔ مدینہ میں ''بئرِ رُومہ'' نامی کنویں کو خرید کر انھوں نے مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا تھا تاکہ ان کے لیے پانی کی قلت ختم ہو سکے۔ ایک دفعہ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں شدید قحط پڑا۔ ایک سوداگر غلے سے لدے ہوئے ایک ہزار اونٹ لے کر مدینے آیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اُس سے سارا غلہ خرید لیا۔ مدینے کے تاجروں کو اس کی خبر ہوئی تو وہ اناج خریدنے کے لیے آ گئے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''میں تو غلہ اس کے ہاتھ فروخت کروں گا جو مجھے دس گنا منافع دے گا۔''

اب کون تھا جو اتنا منافع دے پاتا، لوگ مایوس ہو کر لوٹ گئے۔ ان کے جانے کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے پورے مدینے میں اعلان کروا دیا کہ جس شخص کو جتنے غلے کی ضرورت ہے وہ آ کر مفت لے جائے۔ اس اعلان کے بعد لوگوں نے حیرت سے دریافت کیا:

''آپ تو کہتے تھے کہ میں غلہ دس گنا منافع پر فروخت کروں گا، لیکن آپ نے تو سارا غلہ مفت دے دیا۔''

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ ایک نیکی کے بدلے دس نیکیوں کا ثواب دے گا۔ اس لیے میں نے یہ اناج اللہ کے نام پر ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیا۔ مجھے اُمید ہے کہ میرے خرچ کیے ہوئے ہر درہم کے بدلے میں اللہ تعالیٰ مجھے دس درہم خرچ کرنے کا ثواب دے گا۔"



غزوۂ تبوک کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے شاہِ روم سے مقابلے کے لیے اردگرد سے بھی مسلمانوں کو مدد کے لیے بلالیا۔ اس طرح ایک بڑا لشکر تیار ہو گیا۔ لیکن اتنے بڑے لشکر کے لیے خوراک، ہتھیار، سواریوں اور دیگر ساز و سامان کا مسئلہ تھا۔ اس لیے آپ ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا: "اس نیک مقصد کے لیے دل کھول کر چندہ دیں، ایسا کرنے والوں کے لیے جنت ہے۔" مسلمانوں نے اس موقعے پر بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ گھر کا سارا سامان لے آئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ گھر کا نصف سامان



لے آئے۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے چالیس ہزار درہم دیے۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے تجارت کی غرض سے ملکِ شام بھیجنے کے لیے ایک قافلہ تیار کیا تھا جس میں پالان اور کجاوے سمیت دو سو اونٹ تھے، تقریباً تیس کلو کے قریب چاندی تھی۔ انھوں نے یہ سب اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیا۔ اُس کے بعد بھی طبیعت کو اطمینان نہ ہوا تو پھر سو اونٹ پالان اور کجاوے سمیت صدقہ کر دیے۔ پھر بھی دل نہ مانا تو ایک ہزار دینار جو تقریباً ساڑھے پانچ کلو سونے کے برابر تھے، نقد لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوش میں بکھیر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُنھیں اُلٹ پلٹ کر دیکھتے جاتے اور فرماتے جاتے:

”آج کے بعد عثمان جو بھی کریں انھیں نقصان نہ ہوگا۔“

اس کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے مزید صدقہ کیا یہاں تک کہ ان کے صدقے کی مقدار نقد رقم کے علاوہ نو سو اونٹ اور سو گھوڑوں تک جا پہنچی۔

مسجد نبوی ابتدا میں بہت چھوٹی تھی۔ مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ ساتھ والی زمین مسجد کے لیے خرید لی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”کوئی ہے جو اس زمین کو خرید کر مسجد میں شامل کر دے اور بدلے میں جنت لے لے۔“

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ یہ سنتے ہی فوراً آگے بڑھے اور دس ہزار درہم میں زمین خرید کر مسجد کے لیے پیش کر دی۔

آپ کی سخاوت اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی، بلکہ آپ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی عملی تصویر تھے:

”جو لوگ تنگی اور فراخی میں خرچ کرتے ہیں اور غصہ پی جاتے ہیں اور لوگوں سے درگزر کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“

ایک مرتبہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں چار دن سے کچھ نہیں پکا تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو خبر ہوئی تو فوراً بہت سا آٹا، کھجوریں، ایک بکرا اور تین سو درہم لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پہنچے۔ اس وقت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں نہیں تھے۔ انھوں نے یہ چیزیں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے کیں۔ تھوڑی دیر بعد کچھ روٹیاں اور بھنا ہوا گوشت بھی دے آئے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے تو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ عثمان رضی اللہ عنہ یہ سامان دے گئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر گھر نہیں ٹھہرے، فوراً مسجد میں تشریف لے گئے اور ہاتھ اُٹھا کر یہ دعا مانگی:

”اے اللہ! میں عثمان سے راضی ہو گیا، تو بھی عثمان سے راضی ہو جا۔“

یہ الفاظ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار دہرائے۔

جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک ایرانی غلام ابولؤلؤ فیروز کے ہاتھوں شدید زخمی ہو

گئے اور ان کے بچنے کی کوئی امید نہ رہی تو انھوں نے چھ صحابہ کرام کے نام تجویز کیے کہ ان میں سے کسی ایک کو خلیفہ چن لینا۔ ان چھ صحابہ میں سیدنا عثمان ، سیدنا علی، سیدنا طلحہ سیدنا زبیر ، سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ چن لیا گیا۔

جب آپ خلیفہ منتخب ہوئے تو آپ کی عمر ستر برس سے زائد تھی۔ آپ تقریباً بارہ سال تک خلافت کی ذمے داری نبھاتے رہے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں فتوحات کا جو عظیم الشان سلسلہ شروع ہوا تھا آپ نے نہ صرف اُسے برقرار رکھا بلکہ اس میں اضافہ بھی کیا۔ کئی نئے ملک اور علاقے فتح کیے۔ آذربائی جان، سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر دوبارہ فتح ہوا۔ آرمینیا کو اسلامی حکومت میں شامل کیا گیا۔ 27 ہجری کو عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ نے افریقہ پر چڑھائی کی۔ طَرَابُلُسْ ، قُبْرُسْ ، طَبَرِسْتَانْ اور جُرْجَانْ کے علاقے فتح ہوئے۔ 29 ہجری میں فتوحات کا دائرہ اور بھی پھیل گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد کچھ علاقوں نے بغاوت کر دی تھی۔ ان کو بھی دوبارہ فتح



کیا گیا۔ فَارِسْ، مَرْوْ، بَلْخْ اور ھَرَات تک کے سارے علاقے فتح کر لیے گئے۔

تُرْکِسْتَانْ، طَخَار، سِیْسَجَانْ، طَالَقَانْ، فَارِیَابْ اور جُوزْجَانْ سخت لڑائیوں کے بعد اسلام کے پرچم تلے آ گئے۔ یہاں تک کہ اسلامی حکومت کی حدیں چین تک جا پہنچیں۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ بلوچستان تک آن پہنچے۔ اس زمانے میں بلوچستان نام کا کوئی صوبہ نہیں تھا۔ یہ سارا علاقہ سندھ میں شامل تھا۔ ایران اور کابل سمیت وہ تمام علاقے بھی اسلامی حکومت میں شامل ہو گئے جو آج کل افغانستان اور وسط ایشیا کا حصہ ہیں۔ اسلامی حکومت کا رقبہ لاکھوں مربع میل بڑھ گیا۔

ایران میں آئے دن بغاوت کا فتنہ سر اُٹھا لیتا تھا۔ اُس کی بنیادی وجہ یہی تھی کہ ایران کا آخری آتش پرست حکمران یزدگرد ابھی زندہ تھا۔ سیدنا عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں وہ بھاگ کر ترکستان چلا گیا تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں وہ خراسان اور پھر سِیْسَجَان پہنچا۔ اُس نے دونوں جگہ تیاریاں کر کے مسلمانوں کے خلاف بغاوت کی۔ لیکن اسلامی لشکر نے دونوں جگہ اُس کی بغاوت کو کچل دیا۔ خود یزدگرد ایک پن چکی والے دیہاتی کے ہاتھوں مارا گیا۔ اُس کے بعد ایران میں امن وسکون ہو گیا۔

شام کے والی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی توجہ اس بات کی طرف دلائی کہ ہمیں ہر وقت رومیوں کی طرف سے بحری حملے کا خطرہ رہتا ہے۔ ان کے مقابلے میں ہماری بحری طاقت کا وجود ہی نہیں ہے۔ اُن سے مقابلے کے لیے ہمارے پاس بحری بیڑہ ہونا چاہیے۔ اس پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بحری بیڑہ تیار کرنے کا حکم دے دیا۔ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مصر کے والی عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر عظیم الشان



بحری بیڑہ تیار کیا جس میں کئی سو جنگی جہاز شامل تھے۔

جہاز بنانے کا پہلا کارخانہ مصر میں قائم ہوا۔ بحری بیڑہ تیار کر کے، بحری فوج کی تشکیل کی گئی۔ اس بیڑے کا نصف حصہ شام اور نصف مصر کے ساحل پر رہتا تھا۔ جلد ہی مسلمانوں کی بحری طاقت اس قدر بڑھ گئی کہ انھوں نے قُبرُص کے جزیرے کو فتح کر لیا۔

روم کے بادشاہ کانس ٹینس نے شام اور مصر پر حملے کا ارادہ کیا۔ وہ پانچ سو جنگی جہازوں کا بیڑہ لے کر اسلامی سرحدوں کی طرف بڑھا۔ لیکن اسلامی لشکر نے زبردست لڑائی کے بعد اس بیڑے کو تہس نہس کر دیا۔ رومیوں کو شکست فاش ہوئی۔ اس جنگ کو مستولوں والی جنگ بھی کہا جاتا ہے۔ رومیوں کا غرور خاک میں مل گیا۔ سمندری لڑائی میں مسلمانوں کی یہ جیت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا ایک عظیم الشان کارنامہ ہے۔ بحری بیڑے کی اس عظیم فتح نے مسلمانوں کو بحیرۂ روم کی زبردست بحری طاقت بنا دیا۔

رومیوں کی یہ شکست اتنی عبرت ناک تھی کہ پھر طویل عرصے تک رومیوں کو اسلامی ملکوں پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اصلاحات کو اسی طرح باقی رکھا۔ صوبوں کے نظام میں بھی کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔ البتہ چند ایک چھوٹی موٹی تبدیلیاں کی گئیں۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں فوج دو قسم کی تھی۔ ایک باقاعدہ چھاؤنی میں رہنے والی فوج اور دوسری رضا کاروں پر مشتمل فوج۔ یہ لوگ زیادہ تر اپنے گھروں میں رہتے تھے۔ ضرورت کے وقت انھیں بلا لیا جاتا تھا۔ لڑائیوں میں حاصل ہونے والے مال میں سے انھیں حصہ ملتا اور اس کے علاوہ بھی انھیں کئی سہولتیں اور رعایتیں ملتی تھیں۔ فوجی خدمت کے صلے میں جن لوگوں کو وظائف مل رہے تھے آپ نے ان میں سو سو درہم کا اضافہ کر دیا۔ فوج کو باقاعدہ ایک الگ محکمے کی حیثیت دے دی گئی۔ نئی فوجی چھاؤنیاں قائم ہوئیں۔ فوج کی نقل و حمل کا انتظام بہت بہتر بنا دیا گیا۔ کسی ایک صوبے کو فوجی مدد کی ضرورت پڑتی تو دوسرے صوبوں کی فوجیں بہت جلد اس کی مدد کو پہنچ جاتیں۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے رعایا کی فلاح و بہبود کے لیے بہت سے اقدامات کیے۔ جن میں سے کچھ یہ تھے:

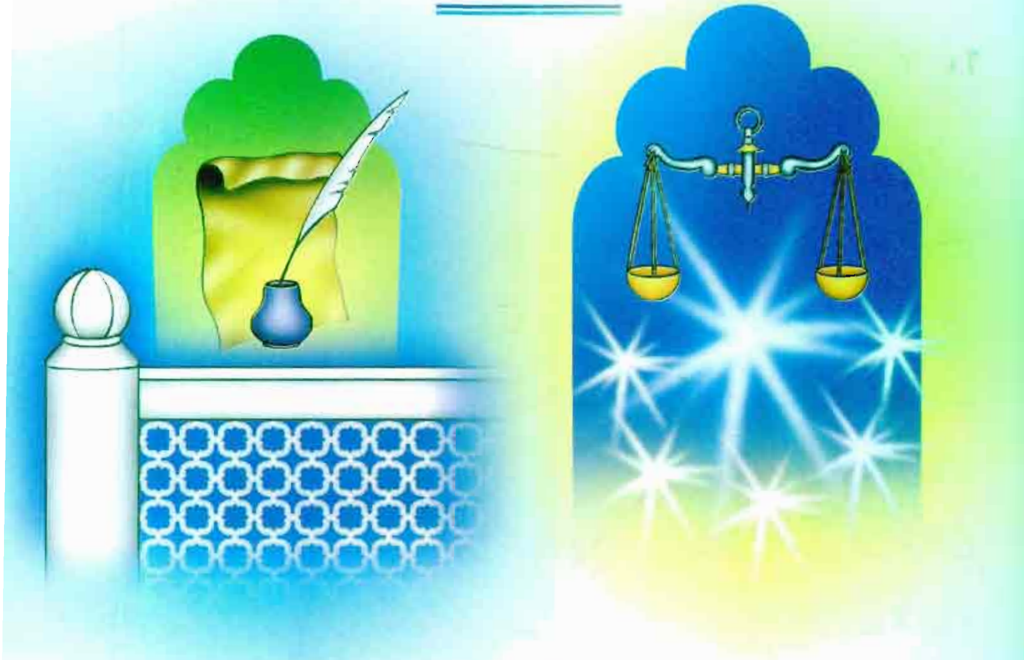
مدینے کی طرف آنے والے تمام راستوں کو اچھے طریقے سے بنوایا تاکہ مسافروں کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہو۔ ان راستوں پر جگہ جگہ چوکیاں بنوائیں، سرائیں تعمیر کیں۔ مدینے سے کچھ فاصلے پر ایک بند تعمیر کروایا، کیونکہ خیبر کی طرف سے کبھی کبھار

سیلاب کا پانی ادھر آ جاتا تھا، اس طرح مدینے کو سیلاب سے محفوظ کر دیا۔ اس بند کا نام ''بندمہزور'' ہے۔

پانی کا رُخ موڑنے کے لیے نہریں بھی کھدوائی گئیں۔ پورے ملک میں اونٹوں اورگھوڑوں کی پرورش کا بہت اچھا انتظام کیا۔ ان کے لیے جگہ جگہ چراگاہیں بنوائیں۔ ان کو سرسبز رکھنے کے لیے ان کے قریب کنویں کھدوائے، بعض چراگاہیں تو اتنی وسیع وعریض تھیں کہ ان میں کئی کئی ہزار اونٹ اور گھوڑے پرورش پاتے تھے۔ ان چراگاہوں کے نگرانوں کے لیے مکانات تعمیر کروائے۔

نجد کے راستے پر مسافروں کی سہولت کے لیے ایک شاندار سرائے تعمیر کروائی۔ اس کے ساتھ ایک چھوٹا سا بازار بھی بنوایا۔ آپ نے جگہ جگہ چشموں کے پانی کا انتظام کیا۔ سڑکیں بنوائیں، ندی نالوں اور دریاؤں پر پل بنوائے۔ مختلف شہروں میں مساجد تعمیر کروائی گئیں۔ آپ کے زمانے میں مرکزی بیت المال مدینے میں تھا۔ اس کے علاوہ ہر صوبے میں ایک بیت المال تھا۔ ان سے حق داروں اور محتاجوں کی مدد کی جاتی تھی۔ جب نئے علاقے فتح ہوئے اور آمدنی میں اضافہ ہوا تو جن لوگوں کو بیت المال سے وظائف ملتے تھے ان کے وظائف میں سو سو درہم کا اضافہ کر دیا گیا۔ رمضان المبارک میں بیت المال سے ایک درہم روزانہ عام لوگوں کو ملتا تھا۔ جبکہ امہات المومنین رضی اللہ عنہن کو روزانہ دو درہم دیے جاتے تھے۔

مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لیے باقاعدہ قاضی مقرر کیے گئے تھے۔ یہ قاضی اپنے دور کے بہترین عالم ہوتے تھے۔ انھیں معقول تنخواہیں ملتی تھیں۔ ہر فیصلہ قرآن وحدیث



کی روشنی میں کیا جاتا تھا۔ قاضی کسی بھی حاکم یا بااختیار فرد کے دباؤ سے آزاد ہوتے تھے۔ بڑے بڑے شہروں میں فتویٰ دینے کے لیے مفتی مقرر تھے۔ قاضی حضرات اپنے مسائل کے شرعی حل کے لیے ان کے فتووں سے مدد لیا کرتے تھے۔ خود سیدنا عثمان ﷛ بزرگ صحابہ کی مدد اور مشاورت سے حکومت چلاتے رہے۔

سیدنا عثمان ﷛ نے ساری عمر دین کی خدمت میں صرف کر دی۔ ان کی ایک عظیم خدمت یہ بھی تھی کہ انھوں نے تمام مسلمانوں کو قرآن مجید کی ایک قراءت پر جمع کر دیا۔ حرم پاک کی جگہ تنگ محسوس ہوئی تو اردگرد کے مکانات خرید کر اس میں توسیع کروا دی۔ خانہ کعبہ پر قیمتی غلاف چڑھانے کی ابتدا بھی سیدنا عثمان ﷛ نے کی۔ مسجدوں کو خوشبوؤں میں بسانے کا سلسلہ بھی آپ ہی نے شروع کروایا۔ صفوں کو سیدھا رکھنے کے لیے آدمی مقرر کیے۔ دین کی دعوت کو پھیلانے میں آپ نے ہمیشہ حد سے زیادہ دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔

ان اصلاحات نے اسلامی سلطنت کو خوب ترقی اور مضبوطی عطا کی۔ ملک میں خوشحالی آئی، ہر طرح سے ترقی ہوئی۔ لیکن ان تمام اصلاحات کے باوجود سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اپنی خلافت کے آخری چند سالوں میں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کی وجہ وہ فتنے تھے جو آپ کی خلافت کو ناپسند کرنے والے لوگ برپا کر رہے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو بظاہر اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے لیکن وہ مسلمان نہیں تھے، بس مسلمانوں کا سا روپ دھار لیا تھا۔ ان کے اسلام قبول کرنے کا صرف ایک ہی مقصد تھا کہ مسلمانوں کے خلاف سازشیں کریں، انھیں آپس میں لڑوا کر کمزور کریں اور اسلام کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیں۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف چلائی جانے والی اس مہم کا سربراہ عبداللہ بن سبا تھا۔ یہ بظاہر مسلمان تھا، لیکن اندر سے یہودی، منافق اور مکار آدمی تھا۔ اس نے لوگوں کو اپنے تقوے اور پرہیزگاری سے بہت متاثر کیا ہوا تھا۔ جب اس نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف باتیں کرنا شروع کیں تو لوگ اس کی باتوں کے جال میں آتے چلے گئے۔ اس نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے گورنروں کے خلاف لوگوں کو بھڑکانا شروع کر دیا اور الزام لگایا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے رشتے داروں کو خوش کرنے کے لیے انھیں بڑے بڑے عہدوں پر مقرر کر رکھا ہے، بیت المال سے بڑی بڑی رقمیں ایسے لوگوں کو دی ہیں جو ان کے حق دار نہیں، بلکہ زیادہ تر رشتے دار ہی ہیں۔ طَرابُلُس کی جنگ سے جو مالِ غنیمت حاصل ہوا۔ اس کا پانچواں حصہ بیت المال کا حق تھا لیکن انھوں نے مصر کے گورنر عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔

الزامات کا یہ جال اس
قدر مہارت سے بچھایا گیا کہ بعض
نیک دل اور قریبی لوگ بھی شک میں پڑ گئے
کہ کہیں واقعی ان الزامات میں سچائی تو نہیں ہے۔
بے چینی کی یہ لہر مدینے کے لوگوں تک بھی جا پہنچی۔ جب
سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تک یہ باتیں پہنچیں تو انھوں نے لوگوں کو جمع کیا
اور ان الزامات کے جوابات دیتے ہوئے فرمایا:

''میں نے ان لوگوں کو خوش کرنے کے لیے نہیں بلکہ لائق، بہادر اور بھروسے کے قابل سمجھ کر اونچے عہدوں پر مقرر کیا ہے۔ میں اپنے خاندان والوں سے واقعی محبت کرتا ہوں، لیکن ان کی خاطر ظالم نہیں بن سکتا۔ میں ان کے صرف وہی حق ادا کرتا ہوں جو واجب ہیں۔ ان کو دل کھول کر دیتا ہوں، لیکن بیت المال سے نہیں، اپنے ذاتی مال میں سے دیتا ہوں۔ مسلمانوں کا مال، میں اپنے لیے حلال سمجھتا ہوں نہ کسی دوسرے کے لیے۔ طَرَابُلُس کی لڑائی میں عبداللہ بن سعد رضی اللہ عنہ اسلامی فوج کے سپہ سالار تھے۔ میں نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ اگر آپ لڑائی میں کامیاب ہوئے تو غنیمت کے مال کا پانچواں حصہ آپ کو دیا جائے گا۔ فتح کے بعد میں نے اپنے وعدے کے مطابق یہ حصہ انھیں دے دیا۔ لیکن جب دوسرے مسلمانوں نے اس بات کو پسند نہ کیا تو میں نے یہ حصہ ان سے لے کر بیت المال میں جمع کروا دیا۔ اب اس میں اعتراض والی کون سی بات رہ گئی۔''

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر اس کے علاوہ ایک چراگاہ کے بارے میں بھی الزام لگایا گیا تھا۔ یہ چراگاہ مدینے کے قریب بنائی گئی تھی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو حکومت کی ملکیت قرار دے کر عام لوگوں کو اس سے فائدہ اُٹھانے سے روک دیا۔ اس الزام کے جواب میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اس میں عام لوگوں کو مویشی چرانے سے نہیں روکا بلکہ اس چراگاہ کو مجھ سے پہلے ہی سرکاری بنا دیا گیا تھا تاکہ سرکاری گھوڑے اور اونٹ وہاں چر سکیں۔ میرے پاس تو صرف دو اونٹ ہیں۔ جو میں نے حج کے لیے رکھے ہوئے ہیں۔ خلافت سے پہلے میں سب سے زیادہ اونٹوں اور بکریوں کا مالک تھا۔ اب ان دو اونٹوں کے سوا میرے پاس کوئی جانور نہیں ہے۔ مراد ان کی یہ تھی کہ میں اس چراگاہ میں اپنے مویشی نہیں چراتا۔

فساد برپا کرنے والوں نے اس کے علاوہ بھی ایسے الزامات لگائے تھے جن کی سرے سے کوئی حقیقت نہ تھی۔ رائی کو پہاڑ بنا دیا گیا تھا۔ ان فسادیوں کا حال یہ تھا:

ے وہ بات جس کا سارے فسانے میں ذکر نہ تھا
وہ بات ان کو بہت ناگوار گزری ہے

فساد برپا کرنے والوں کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے جوابات سے کوئی غرض نہ تھی۔ وہ ان کی طرف قطعاً توجہ نہیں دیتے تھے۔ ان کی تو بس ایک ہی رٹ تھی کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نہیں رہنا چاہیے۔ جب یہ لوگ علی الاعلان دوسروں کو بھی بغاوت پر ابھارنے لگے تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے تمام صوبوں کے گورنروں کو مدینے طلب کر کے ان سے مشورہ کیا کہ اس فساد اور شورش کو کیسے ختم کیا جائے؟ ان لوگوں نے رائے دی کہ فساد پھیلانے والوں کو

سخت سزائیں دی جائیں، لیکن یہ تجویز سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو پسند نہ آئی کیونکہ وہ فطرتاً نرم مزاج تھے۔ اس کے علاوہ بھی کئی مشورے سامنے آئے لیکن کسی پر بھی اتفاق نہ ہو سکا اور سارے گورنر اپنے اپنے علاقوں کی طرف واپس روانہ ہو گئے۔

ان کے جانے کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اس شورش سے نپٹنے کے لیے تین اقدام کیے۔ پہلے کوفے کے گورنر سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کی جگہ ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا، کیونکہ کوفے کے باغی سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کے دشمن ہو چکے تھے اور ان ہی کے مطالبے پر ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کو گورنر مقرر کیا گیا۔ چند صحابہ کرام کو تمام صوبوں میں یہ تحقیق کرنے کے لیے بھیجا کہ لوگوں کی جائز شکایات کیا ہیں اور ان کو کیسے دور کیا جا سکتا ہے۔ پورے ملک میں اعلان کروا دیا کہ جس کسی کو مجھ سے یا میرے کسی حاکم سے کوئی شکایت ہو وہ حج کے موقع پر پیش کرے۔ میں ان کی شکایات دور کروں گا اور ظالم سے مظلوم کو حق دلاؤں گا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ان پرخلوص اقدامات کے باوجود سازشی عناصر باز نہ آئے۔ ان کی فتنہ انگیزی میں کوئی کمی نہ آئی۔ وہ اپنی شرانگیزیوں سے لوگوں کے دماغ میں بغاوت کا بیج بو رہے تھے۔ مصر، کوفہ اور بصرہ کے ان سازشیوں نے آپس میں خطوط لکھ کر منصوبہ تیار کیا کہ اچانک مدینے پہنچ کر زبردستی تلوار کے زور پر اپنے مطالبات منوائیں۔



ان سازشی عناصر کی تعداد ہزاروں میں تھی۔ طے شدہ منصوبے کے مطابق وہ سب ایک ساتھ مدینہ پہنچے۔ شہر سے تین میل دور انھوں نے قیام کیا۔ ان کے پڑاؤ کا مقصد مدینے کی فضا کو ناہموار کرنا تھا۔ مدینے کے بزرگ صحابہ سیدنا علی، سیدنا طلحہ، سیدنا زبیر اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم کی جانب لوگ روانہ کیے گئے تاکہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت کے لیے ان کو اپنے ساتھ ملایا جائے۔ یہ ان کی بہت بڑی بھول تھی۔ یہ شخصیات بھلا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف کیسے کھڑی ہوسکتی تھیں۔ وہ ان کے مقام و مرتبے سے اچھی طرح آگاہ تھے۔ کوئی بھی سچا مسلمان ان کی طرف انگلی تک اُٹھانے کا روادار نہیں تھا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان باغیوں کے پاس گئے۔ ان باغیوں کے ایک ایک الزام کا مدلل اور موثر جواب دے کر انھیں واپس جانے کا کہا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے باغیوں کو یہ بھی یقین دلایا کہ امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ان کے جائز مطالبات ماننے کے لیے تیار ہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی یقین دہانی پر سارے باغی واپس جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ ان کی واپسی سیدنا علی اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما کے لیے بڑے اطمینان کا باعث تھی۔ لیکن یہ اطمینان عارضی ثابت ہوا۔

اس واقعے کو ابھی کچھ ہی دن گزرے تھے کہ مدینے کی گلیاں گھوڑوں کے ٹاپوں کی آوازوں سے گونج اُٹھیں۔ گھوڑ سوار ''انتقام! انتقام!'' کے نعرے لگا رہے تھے۔ لوگ گھبرا کر گھروں سے باہر نکل آئے۔ ان کی آنکھوں سے پریشانی جھلک رہی تھی۔ ان کے ذہنوں میں سوال تھا کہ یہ مصری باغی پھر سے واپس کیوں آ گئے؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور ان سے واپس آنے کا سبب پوچھا۔ انھوں نے جواب دیا کہ ہم واپس جا رہے

تھے۔ راستے میں ایک شخص کو دیکھا جو مدینے سے مصر کی طرف جا رہا تھا۔ اس کی چال ڈھال اور طور طریقے مشکوک سے تھے۔ ہم نے اُسے روک کر تلاشی لی تو اس کے پاس سے ایک خط ملا۔ یہ خط مصر کے گورنر کے نام تھا۔ لکھنے والے امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہیں اس میں گورنر کو حکم دیا گیا تھا کہ جو لوگ مدینے سے مصر واپس آ رہے ہیں ان سب کو قتل کر دیا جائے۔ خط پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی مہر بھی لگی ہوئی تھی۔ ہمیں فوراً یقین ہو گیا کہ ہمارے ساتھ دھوکا کیا جا رہا ہے۔ اس لیے اس دھوکے کے بعد ہم سراپا انتقام بن کر واپس آئے ہیں۔



سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے رابطہ کیا اور ساری صورتِ حال ان کے سامنے رکھی۔ ساری بات سن کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ شدید حیران ہوئے اور قسم کھا کر کہا:

”میں نے یہ خط لکھا اور نہ کسی سے لکھوایا ہے۔“

تب لوگوں نے اس رائے اور خیال کا اظہار کیا کہ یہ خط ضرور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مشیر نے ان کی اجازت کے بغیر لکھا ہے۔

باغیوں تک جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا موقف پہنچا تو انھوں نے اسے ماننے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ تو فساد پر تلے ہوئے تھے۔ انھوں نے کہا:

”خط چاہے کسی نے بھی لکھا ہو، اس کے ذمہ دار تو خلیفہ ہی ہیں۔ اس لیے وہ خلافت سے الگ ہو جائیں۔“

مصری باغیوں کے ساتھ بات چیت ابھی جاری تھی کہ کوفے اور بصرے کے باغی بھی پلٹ آئے۔ ان سے پوچھا گیا:

”تم لوگوں کے راستے تو الگ الگ ہیں، پھر تم کس طرح راستے سے پلٹ کر ایک ساتھ آ گئے ہو۔“

ان لوگوں نے کوئی جواب نہ دیا اور مصری باغیوں کے گروہ سے جا ملے۔ باغیوں کا ایک ہی مطالبہ تھا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ خلافت سے الگ ہو جائیں، لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس باغیوں کے لیے ایک ہی جواب تھا:

”جب تک مجھ میں جان ہے، خلافت سے الگ نہیں ہوں گا۔ میں تمھاری ہر جائز شکایت کو دور کرنے کے لیے تیار ہوں۔ لیکن تمھارے کہنے سے خلافت کی قمیص نہیں اُتاروں گا۔ اس لیے کہ یہ قمیص مجھے اللہ نے پہنائی ہے اور مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ تمھیں ایک قمیص پہنائے گا۔ پھر اسے اتارنے کے لیے لوگ آئیں گے لیکن تم اسے مت اُتارنا۔ لوگو! میں نہ تو تلوار کے زور پر خلیفہ بنا تھا اور نہ کوئی تلوار کے زور پر مجھے خلافت سے الگ کر سکتا ہے۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے مطابق آخری دم تک صبر کروں گا۔“

باغی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا صبر و سکون اور ان کی مستقل مزاجی دیکھ کر طیش میں آ گئے اور انھوں نے آگے بڑھ کر آپ کے گھر کو گھیرے میں لے لیا۔ باغیوں نے کئی دن تک

آپ کے گھر کو گھیرے رکھا۔ گھیراؤ کے اس عرصے میں ان لوگوں نے اپنی گھٹیا ذہنیت کا بھرپور ثبوت دیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں خوراک اور پانی بالکل نہ جانے دیا گیا۔

ایک روز ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے کھانے پینے کی کچھ چیزیں لے کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تک پہنچنے کی کوشش کی، لیکن ان ظالموں نے انھیں بھی آگے نہ جانے دیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پانی کی تین مشکیں اپنے چند آدمیوں کے ذریعے بھجوائیں جو باغیوں سے لڑ بھڑ کر اور زخم کھا کر پانی کی مشکیں اندر لے جانے میں کامیاب ہو گئے۔ ایک دوبار پڑوس کے گھروں سے بھی خوراک اور پانی کی مدد پہنچی، لیکن یہ بھی نہ ہونے کے برابر تھی۔ بمشکل ایک یا دو دن گزر پاتے تھے۔



مدینہ منورہ کے بزرگ صحابہ مسلسل ان باغیوں کو سمجھانے میں لگے ہوئے تھے لیکن باغیوں نے ماننا تھا نہ مانے۔ خود سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے باغیوں کو سمجھانے کی کئی کوششیں کیں۔ مکان کی چھت پر جا کر بہت مؤثر تقاریر کیں، انھیں یاد دلایا کہ مسجد نبوی میں توسیع کے لیے جگہ خریدنے والے کے لیے جنت کی بشارت تھی، میں نے یہ جگہ خریدی تھی، آج

میں اس مسجد میں نماز نہیں پڑھ سکتا۔ ہجرت کے بعد سارے مدینے میں میٹھے پانی کا ایک ہی کنواں تھا۔ اس کو مسلمانوں کے لیے خرید کر عام کرنے والے کو رسول اللہ ﷺ نے جنت کی خوشخبری سنائی تھی۔ کیا تم نہیں جانتے کہ یہ کنواں میں نے ہی خرید کر مسلمانوں کے حوالے کیا تھا۔ آج تم نے مجھ پر اس کا پانی بند کر دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ میرا کیا تعلق تھا، کیا تم یہ بھی نہیں جانتے؟''

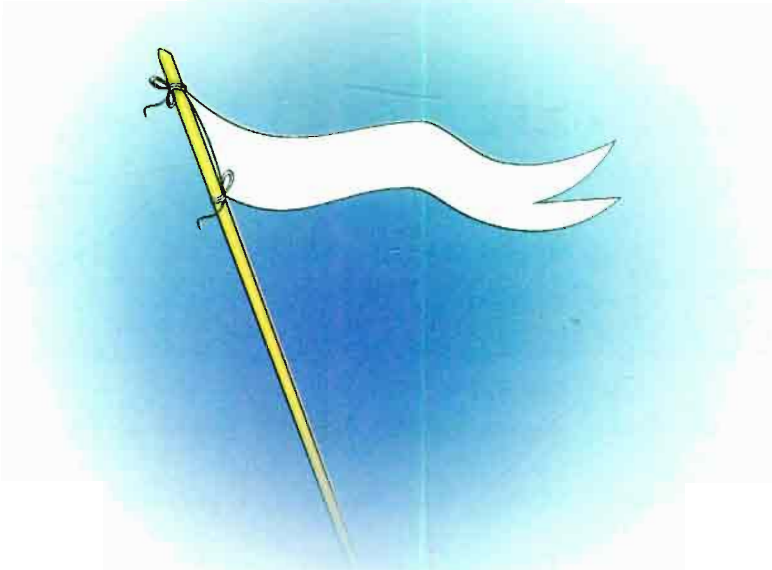
جس کا ضمیر زندہ ہو، جس میں ایمان کی چنگاری سلگ رہی ہو، یہ ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ ایسی باتوں سے اس کا دل نہ پگھلتا، لیکن یہ کیسے پتھر دل باغی تھے کہ ان کے دل ان باتوں پر ذرا بھی نہ تڑپے۔ انھوں نے ایک قدم اور اُٹھایا، سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مکان کی طرف آنے والے تمام راستوں پر پہرے لگا دیے تاکہ مدینہ کے لوگ ان کی مدد کو نہ پہنچ سکیں۔ لیکن اس کے باوجود سات سو بہادر مسلمان ہتھیار اُٹھائے کسی نہ کسی طرح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تک پہنچ گئے اور ان سے کہا:

''اگر آپ اجازت دیں تو ہم ان باغیوں کا مقابلہ کریں؟''

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تو خون خرابے کے حق میں ہی نہیں تھے۔ انھیں رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی اچھی طرح یاد تھی۔ انھوں نے فرمایا:

''میں تم لوگوں کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ کوئی شخص میرے لیے اپنا خون نہ بہائے۔''

اس طرح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے نہ چاہنے کے باوجود ان لوگوں کو واپس جانے پر مجبور کر دیا۔ صرف چند نوجوان زبردستی وہاں ٹھہر گئے۔ شاید ان کے ذہن میں یہ خیال تھا کہ وہ لوگ صرف ان کی معزولی چاہتے ہیں۔ ان کا صبر اور استقامت دیکھ کر خود ہی پیچھے



چلے جائیں گے۔ اسی لیے وہ تمام مصیبتیں صبر اور شکر کے ساتھ برداشت کرتے رہے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ لوگ ان کی ذات کی خاطر ایک دوسرے کا خون بہائیں۔

یہ حج کے ایام تھے۔ زیادہ تر لوگ حج کے لیے مکہ مکرمہ گئے ہوئے تھے۔ اس وجہ سے باغی بے فکر تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ چاہتے تو دوسروں صوبوں سے اپنی مدد اور حفاظت کے لیے فوج طلب کر سکتے تھے لیکن باغی جانتے تھے کہ وہ اپنی نرم مزاجی کی وجہ سے ہرگز فوج نہیں منگوائیں گے، کیونکہ اپنی ذات کے لیے دوسروں کا خون بہانا انھیں پسند ہی نہیں تھا۔ ان فسادیوں نے انھی باتوں کا تو فائدہ اُٹھایا تھا۔ حج کے لیے گئے ہوئے لوگوں کی غیر حاضری نے ان کے حوصلے بلند کیے ہوئے تھے۔ پھر انھوں نے سوچا کہ حج کے بعد لوگ مدینے واپس آ جائیں گے، پھر شاید وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو خلافت سے دستبردار ہونے پر مجبور نہ کر سکیں۔ چنانچہ وہ آپ کے قتل کے بارے میں غور و فکر کرنے لگے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی ان کے ارادے کا پتا چل گیا۔ آپ اپنے مکان کی چھت پر تشریف

لے گئے۔ باغی بدستور گھیرا ڈالے ہوئے تھے۔ انھوں نے بڑے دکھ کے ساتھ باغیوں کو مخاطب کر کے کہا:

''لوگو! تم مجھے کس جرم میں قتل کرنا چاہتے ہو؟ اسلام تین صورتوں کے علاوہ کسی مسلمان کو قتل کرنے کی اجازت نہیں دیتا: یا تو وہ اسلام لانے کے بعد اس سے پھر جائے، یا شادی کے بعد بدکاری کرے، یا کسی کو جان بوجھ کر قتل کرے۔ اللہ کی قسم! میں نے ان تینوں میں سے کوئی گناہ نہیں کیا، پھر تم میرے خون کے پیاسے کیوں ہو گئے ہو؟''

باغیوں کے دل میں ایمان کی سچائی ہوتی تو ان پر کچھ اثر ہوتا، ان کے دل پتھر ہو چکے تھے، پتھر کو جونک کیسے لگ سکتی ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ لیکن ان کی ہر کوشش رائیگاں گئی۔ 18 ذوالحجہ 35 ہجری جمعۃ المبارک کا دن تھا کہ باغیوں نے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مکان پر حملہ کر دیا۔ گھر کے بڑے دروازے پر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے منع کرنے کے باوجود سیدنا حسن بن علی، سیدنا عبداللہ بن زبیر، سیدنا محمد بن طلحہ رضی اللہ عنہم اور کچھ دوسرے نوجوان پہرہ دے رہے تھے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ باغی اس طرح دیدہ دلیری سے حملہ کر دیں گے۔ پھر بھی انھوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ زخم پر زخم کھا کے بھی باغیوں کو اندر داخل نہ ہونے دیا۔ وہ دروازے پر باغیوں سے لڑ رہے تھے۔ ادھر چار باغی چپکے سے ساتھ کے ایک مکان کے ذریعے دیوار پھلانگ کر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مکان میں داخل ہو گئے۔ آپ اس دن روزے سے تھے اور قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے۔ ان پتھر دل ظالموں اور منافقوں نے اس بات کی ذرہ برابر پروا نہ کی۔ آگے بڑھ کر ان پر ایک سلاخ، نیزے اور تلوار سے حملہ کر

دیا۔ آپ کی زوجۂ محترمہ سیدہ نائلہ رضی اللہ عنہا بچانے کے لیے آگے آئیں تو ان ظالموں نے ان پر بھی وار کیا اور تلوار سے ان کی انگلیاں کاٹ دیں۔ ظلم نے اپنا رنگ دکھایا 82 سالہ نہتے امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے۔ ان کا خون قرآن مجید کے ان الفاظ پر گرا تھا " فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ " یہ واقعہ جمعۃ المبارک کی شام کا تھا۔



سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر سن کر لوگ سناٹے میں آ گئے۔ کسی کو بھی اندازہ نہیں تھا کہ بات یہاں تک پہنچ جائے گی۔ بزرگ صحابہ اور دیگر لوگ اسی خیال میں تھے کہ باغی کچھ نہ کچھ شرائط منوا کر لوٹ جائیں گے۔ اگر کوئی بہت بڑا اور پیچیدہ مسئلہ ہوا تو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ فوج بلوا کر ان سے نپٹ لیں گے۔ یہ شہادت تمام مسلمانوں کے لیے بہت بڑے صدمے کا باعث تھی۔ اسلامی سلطنت کا طاقتور ترین فرد بے کسی کی حالت میں شہید کر دیا گیا تھا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بھوک اور پیاس کاٹ کر، اپنی جان دے کر بھی خلافت کی اس قمیص کو اُتارنا پسند نہیں کیا جو اللہ تعالیٰ نے ان کو پہنائی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نہ اُتارنے کی وصیت کی تھی۔ اس مظلوم شہید کو رات کے وقت بقیع الغَرْقَد قبرستان میں دفن کیا گیا۔

یہ تھے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جنھوں نے اپنی تمام عمر نیکی اور بھلائی کے کاموں میں صرف کر دی۔ آپ بہت خوبصورت تھے۔ ہمیشہ صاف ستھرے کپڑے پہنتے تھے۔ طبیعت میں بہت زیادہ حیا تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''فرشتے بھی عثمان سے حیا کرتے ہیں۔'' تجارت میں دیانت داری سے بہت نام اور پیسا کمایا۔ لیکن اپنی دولت ہمیشہ اللہ کی راہ میں خرچ کی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بہت صفائی پسند تھے، خوشبو بہت پسند کرتے تھے۔ فرض نمازوں اور روزوں کی سختی سے پابندی تو کرتے ہی تھے، نفلی عبادت کا بھی بہت اہتمام کرتے تھے۔ اکثر تیسرے دن روزہ رکھتے۔ رات کو بہت معمولی سا کھانا کھاتے۔ بعض اوقات ان کی پوری رات عبادت میں گزر جاتی تھی۔ قرآن مجید کی تلاوت کرنا انھیں بہت مرغوب تھا۔ ان کا کوئی دن بھی تلاوت کے بغیر نہیں گزرتا تھا۔ ہر سال حج کے لیے



جاتے تھے، آخری سال باغیوں کے محاصرے کی وجہ سے نہیں جا سکے۔ آپ وحی کی کتابت بھی کرتے رہے تھے۔ قرآن کریم کے بہت بڑے عالم اور حافظ تھے۔ آپ کے ذریعے رسولِ کریم ﷺ کی 146 احادیث امتِ مسلمہ تک پہنچیں۔ آپ ان دس صحابہ میں سے ایک ہیں جنہیں جنت کی خوش خبری رسول اللہ ﷺ نے اس دنیا ہی میں دے دی تھی۔

امیر المومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے چند خوبصورت اقوال یہ ہیں:

* اس نے اللہ کا حق نہیں جانا جس نے لوگوں کا حق نہیں جانا۔
* حقیر سے حقیر پیشہ اختیار کرنا ہاتھ پھیلانے سے بہتر ہے۔
* غریب کا ایک روپیہ خیرات کرنا، دولت مند کے ایک لاکھ روپے خیرات کرنے سے بہتر ہے۔
* اپنے رب کے سوا کسی سے اُمید نہ رکھو۔
* گناہ کسی نہ کسی صورت میں دل کو بے قرار رکھتا ہے۔
* سب سے بُرا آدمی وہ ہے جو لوگوں کی بُرائیاں کرتا پھرے۔

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ

سخت اندھیروں میں بھی روشنی کی کرن سر اُٹھا سکتی ہے۔
تیز ہواؤں میں بھی اکیلا چراغ اپنی لَو بچا سکتا ہے۔
لاکھوں میں کوئی ایک اچھا اور سچا بھی ہو سکتا ہے۔

وہ حیا والے تھے
ایمان دار تھے
پاکیزہ فطرت کے مالک تھے
روشنی نے خود بڑھ کر انھیں اپنے دامن میں سمیٹ لیا تھا۔
وہ بُروں میں اچھے اور سب سے اچھے تھے اور
اچھوں میں شامل ہو کر بھی وہ سب سے اچھے تھے۔

اچھے انسان
اچھے مسلمان
اور اچھے حکمران
خوبصورت شخصیت پر
خوبصورت انداز میں لکھی گئی
خوبصورت تحریر۔

ISBN: 9960-732-00-2
9 789960 732008

دار السّلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض • جدہ • شارجہ • لاہور
لندن • ھیوسٹن • نیو یارک
DARUSSALAM